بِسۡمِ اللّٰہِ

لائٹ انٹرنیشنل

جولائی ۲۰۲۰ء

ذیقعدہ/ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

ہمارے عقاید

حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم

حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلام امام۔ رُوح کی پیدائش (اسلامی اصول کی فلاسفی قسط۔۸) ۲

۲: قربانی کا اصل مقصد۔ حضرت مولانا محمد علی ۴

۳: رضیہ مدد علی مرحومہ۔ بشریٰ علوی ۷

حضرت مسیح موعود نے فرمایا

مردم شماری کے فارم میں لکھو ’مسلمان فرقہ احمدیہ‘۔

- ’مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کرو گے‘۔

غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔

- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔

جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔

ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

www.virtualmosque.co.uk پر دیگر نشریات

پروگرام و اوقات

اتوار-اردو/انگریزی	09:00
ہفتہ-انگریزی	09:00
جمعہ-انگریزی	13:00
ماہانہ اجلاس-انگریزی-ہر ماہ پہلی اتوار	15:00
عیدین-انگریزی	11:00

پیر سے جمعرات نشریات

یوٹیوب، فیس بُک اور ریڈیو پر

۱۹۰۰-درس القرآن اردو

۱۹۳۰-درس القرآن انگریزی

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام

ای میل: editor.TheLight@aaiil.uk

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلام امام

از حضرت مرزا غلام احمدؒ

اسلامی اصول کی فلاسفی (قسط ۸)

مُرتّب:۔ ارشد علوی

حضرت مسیح موعودؑ اسلامی اصول کی فلاسفی میں فرماتے ہیں۔

اور ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ایسے وقت میں مبعُوث ہوئے تھے۔ جبکہ دُنیا ہر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہوچکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:۴۱) یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے یہ اشارہ اُس بات کی طرف ہے جو اہلِ کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دُوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں مِلا۔ وہ بھی بگڑ گئے پس قُرآن شریف کا کام دراصل مُردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللہَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید۔۱۷) یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ نئے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اُس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا اُن میں باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی اُن کی نظر میں فخر کی جگہ تھے۔ ایک ایک شخص صدہا بیویاں کر لیتا تھا۔ حرام کا کھانا ان کے نزدیک ایک شکار تھا۔ ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (النساء :۲۳) یعنی آج مائیں تمہاری تم پر حرام ہو گئیں۔ ایسا ہی وہ مُردار کھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ بہت سے ان میں سے خُدا کے وجُود کے بھی قائل نہ تھے۔ لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیتے تھے۔ یتیموں کو ہلاک کر کے ان کا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے، مگر عقلیں مسلُوب تھیں، نہ حیا تھی نہ شرم تھی نہ غیرت

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خاتم النبیین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ:۔ ”اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا“، ”جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“ ”میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ختم ہو گئی۔“

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسُوخ نہیں، نہ قیامت تک منسُوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونوانبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہل سنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: ”اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔“

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے۔ جس کا زناکاری میں اوّل نمبر ہوتا تھا۔ وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ ارد گرد کی تمام قوموں نے ان کا نام اُمّی رکھ دیا تھا۔ ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کیلئے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم شہر مکہ میں ظہور فرما ہوئے۔

قُرآن شریف کا مقصد اصلاحاتِ ثلاثہ ہیں:

پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذِکر کر چکے ہیں۔ ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا پس اسی وجہ سے قرآن شریف دُنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اَکمل اور اُتّم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دُنیا کی اور کتابوں کو اِن تین قسم کی اصلاحوں کا موقعہ نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا۔ اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے بااخلاق انسان بناوے اور بااخلاق انسان سے باخُدا انسان بناوے۔ اسی واسطے ان تین اُمور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا مفصّل بیان کریں۔ یہ ذِکر کرنا بھی ضرُوری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحاتِ ثلاثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لُبِ لُباب یہی تین اِصلاحیں ہیں۔ اور باقی تمام احکام اِن اِصلاحوں کیلئے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کرنے کے لئے، کبھی چیرنے، کبھی مرہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی اِنسانی ہمدردی کیلئے اِن لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اِس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ اِنسانوں کو اِن کی طبعی حالتوں سے جو وحشیانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے۔ اور پھر اخلاقی حالتوں سے رُوحانیت کے ناپیداکنار دریا تک پہنچائے۔

طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں:

اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لانے سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی اصلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں۔ درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے۔ بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگر ایک کُتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کُتے کو خلیق نہیں کہیں گے۔ اور نہ اس بکری کا نام مہذب الاخلاق رکھیں گے۔ اسی طرح ہم ایک بھیڑیئے یا شیر کو ان کی درندگی کی وجہ سے بد خلق نہیں کہیں گے۔ بلکہ جیسا کہ ذکر کیا تھا، اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل اور تدبر سے کام نہیں لیتا وہ اِن شِیر خوار بچوں کی طرح جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قُوتِ عقلیہ کا سایہ نہیں پڑا۔ یا ان دیوانوں کی طرح جو جوہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شِیر خوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں مگر کوئی عقلمند ان کا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقعہ بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنے کے وقت صادر ہوتی جاتی ہیں۔ جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف رُخ کرتا ہے اور ایک مُرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چگنے کیلئے دوڑتا ہے۔ جوک کا بچہ جوک کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے۔ اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصُوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہی انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہُوا۔ تو وہ عادات طبیعہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے روتا تھا اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ہنسنا قہقہہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور آنکھوں میں بھی عمداً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضا مندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو مارتا اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے۔ مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے۔ وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے۔ کوئی بات اس کے اندرونی قویٰ کے تدبّر اور تفکّر سے نہیں نکلتی۔ بلکہ جو کُچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے۔ وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اس کے اندر سے کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب کے سب

بُرے نہ ہوں بلکہ بعض ان کے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبر اور موشگافی کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ بوجہ غلبہ جذبات طبعی کے قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو معتبر سمجھا جائے گا۔

حقیقی اخلاق

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کرسکتے جس پر جذبات طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بداخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خُداداد پُختہ ہو کر اس کے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دو بدیوں یا دو نیکیوں کے درجہ میں فرق کرسکے۔ پھر اچھے راہ کے ترک کرنے سے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور بُرے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندّم اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے۔ جس کو خُدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفسِ لوّامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفسِ لوّامہ کی حالت تک پہنچانے کیلئے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خُداشناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور عبث خیال نہ کرے۔ تا معرفت الٰہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں۔ اسی وجہ سے خُدا تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خُدا کی معرفت کیلئے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خُلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس زندگی میں رُوحانی راحت یا رُوحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دُوسری زندگی میں کھلے کھلے طور پر اپنا اثر دکھائے گا۔ غرض نفسِ لوّامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کانشنس سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ بُرے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاق فاضلہ حاصل کرتا ہے۔ (صفحہ ۱۷ تا ۲۱) (فہرست مضامین)

۶ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ ۱۷ مئی ۱۹۲۹ء

قربانی کا اصل مقصد

(ذیل کا مضمون حضرت امیر ایدّہ اللہ نے ڈلہوزی سے احباب احمدیہ کی خاص توجہ کے لئے لکھ کر بھیجا ہے۔ اُمید ہے کہ ہمارے احباب اس کو نہ صرف خود غور سے مطالعہ فرما کر اس پر عمل درآمد کی کوشش کریں گے، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھوا کر امر بالمعروف کا فرض ادا کریں گے۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۹ء کو عیدالاضحی ہے۔ مدیر)

جمعہ اور عیدین کے خطبوں کی غرض: جمعہ اور عیدوں کے خطبوں کی اصل غرض قوم کو بیدار کرنا تھی۔ اور ان امور کی طرف توجہ دلانا تھی، جو نہ صرف فرداً فرداً ہر انسان کے لئے اصلاح کا موجب ہوں، بلکہ ان کی طرف بھی، جو قوم کی زندگی اور قوت کا موجب ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہندوستان میں مسلمانوں کے خطبے یا تو عربی زبان میں ہیں، جن کو کوئی سمجھتا نہیں۔ اور یا چند چھپے ہوئے خطبے ہیں۔ جن سے اصل غرض پوری نہیں ہوتی۔ اور جمعہ اور عیدین صرف رسم کے طور پر رہ گئے ہیں۔ اور پھر جمعہ میں عموماً بلند طبقہ کے لوگ شامل بھی نہیں ہوتے۔ گو یہ شکر ہے کہ اب تک عید میں یہ لوگ رسمی طور پر شامل ہو جاتے ہیں۔

جمعہ اور عیدین کی امامت: دوسرا امر قابل افسوس یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی امامت، اس اصول کے مطابق، جو شارع علیہ السلام نے مقرر کیا تھا، ان لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، جو قوم کو بیدار کرسکتے ہوں۔ بلکہ الاماشاء اللہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو نہایت تنگ خیال واقع ہوئے ہیں۔ اور جن کو اپنا پیٹ بھرنے کی غرض ہے۔ قوم جیتی ہے یا مرتی ہے، اس سے ان کو کچھ سروکار نہیں۔ نہ ان کے اندر خود سے احساس موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کم از کم ہماری جماعت میں خطبوں کی یہ اصل غرض مفقود نہ ہو۔ اور نہ امامت کا اصل اصول ہاتھ سے جانے دیا جائے۔ بلکہ ہمارے اندر امام وہ لوگ ہوں، جو قرآن کریم کو جاننے کے علاوہ حالات زمانہ سے بھی آگاہ ہیں، اور جماعت کو بہتر رستے پر لگاسکتے ہیں۔

ہمارے خطبوں کی صورت کیا ہو؟: میری یہ منشاء نہیں کہ کوئی خاص خطبہ کسی خاص موقعہ کے لئے لکھ دیا جائے۔ جسے ہر جگہ جماعت کے لوگ پڑھ دیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسی تحریریں بھی اصل غرض کو پورا کرنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔ بات وہی موثر ہوتی ہے، جو دل کے جوش سے نکلے۔ البتہ یہ میں ضرور چاہتا ہوں کہ ہم سب کے مدنظر ایک وقت میں ایک ہی بات ہو۔ جو موقعہ کے لحاظ سے موزوں بھی ہو۔ اور اپنے اپنے رنگ میں ہر جگہ ہمارے خطیب اس کو مدنظر رکھیں۔ اسی لحاظ سے میں عید الاضحی کے خطبہ کے متعلق چند باتیں اپنے احباب کے سامنے پیش کرتا

ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے احباب ان باتوں کے محتاج نہیں، مگر عام حالت کو مد نظر رکھ کر میں نے یہ چند باتیں لکھی ہیں۔ جماعت کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ان سے فائدہ اُٹھالے، تو میرے لئے نہایت درجہ خوشی کا موجب ہو گا۔

ہمارا نصب العین: عید الاضحی کا دن دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر قربانی کی یاد گار ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جانا۔ باپ اور بیٹے کا تعلق محبت کس قدر زبردست تعلق ہے! پھر بیٹا بھی اکلوتا بیٹا جو بڑھاپے میں ملا۔ مگر خدا کی رضا کا خیال کس قدر غالب تھا؟ کہ باپ اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دیتا ہے۔ یہ وہ بلند نصب العین ہے، جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہونا چاہئیے۔ اور جو ہماری آرزوؤں کا منشاء ہونا چاہئیے۔ مانا کہ سب لوگ اس بلند مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن اگر ہم اس بلند مقام کو اپنا نصب العین بنائے رکھیں۔ اور ہمارے دل میں ہر وقت نہیں، تو سال میں ایک دفعہ ہی یہ تڑپ پیدا ہوتی رہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوئی ایسی ہی قربانی کا کام کر سکیں، تو اس تڑپ کے پیدا ہونے سے ہماری زندگی میں ایک روشنی کی جھلک وقتاً فوقتاً پیدا ہوتی رہے گی۔ اس لئے اصل بات، جو ہمیں اس عید کے خطبہ میں مد نظر رکھنی چاہئیے، یہ ہو کہ ہمارا نصب العین کوئی عظیم الشان قربانی کا کام ہونا چاہئیے۔

نام و نمود کا خرچ اور خُدا کے لئے قربانی: مسلمانوں کو اس وقت جس امر کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ خدا کے رستے میں قربانی کرنا ہے۔ آج عام طور پر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ قریباً ہر شخص بیٹے بیٹی کی شادی کرنے بیٹھتا ہے، تو اس وقت اس کی زبان پر اگر نہ بھی ہو، تو دل میں یہی ہوتا ہے کہ سب ارمان نکالے! کوئی اور نمود کا خرچ ہو اور یا رسم و رواج کے لحاظ سے ناک رکھنی مقصود ہو، تو بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ اپنے کھانے پینے، لباس، تماش بینی پر روپیہ برباد کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر خدا کے رستے میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے، تو حد درجہ کی تنگ دلی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اس وقت سب سے زیادہ مفلس اور قلاش بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے یاد آتا ہے، کہ وہ مقروض بھی ہے۔ اور اگر تحقیق کی جائے، تو مقروض کس لئے ہوا تھا؟ کسی رسم و رواج کو پورا کرنے کے لئے! خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت پر ریاء کے لئے خرچ کرتے وقت! اگر جائداد بھی بِک جائے تو بیچنے میں ایک لمحہ کا توقف نہیں ہوتا۔ لیکن خدا کے رستے میں خرچ کرنے کے لئے تنگ دلی اور بخل کی انتہاء ہو جاتی ہے۔

مسلمان کا افلاس خدا کے رستہ میں: اپنی قومی بہتری پر خرچ کرنے کے لئے آج کوئی قوم اس قدر تنگ دل نہیں، جس قدر مسلمان تنگ دل ہیں۔ ہندو اپنی قومی ضروریات کے لئے، اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے، اور اسلام کی مخالفت کے لئے فراخ دلی سے دیتے ہیں۔ عیسائی تو ایسی ضروریات پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں۔ مگر مسلمان ان تمام ضرورتوں کے وقت افلاس اور تنگی کا عذر آگے کر دیتے ہیں! کبھی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب اپنے کھانے پینے کا سوال ہو، جب منگنی شادی رچانی مقصود ہو، ختنے کرنے ہوں، اور امین کرنی ہو، تو اس وقت مسلمان کا افلاس کہاں ہوتا ہے؟ اس وقت سود کی رقم جو لالہ (ہندو سود کار) چاہے لگالے، جو جائداد چاہے، گرو کرالے، جو شرطیں چاہے، کرالے، جس قدر رقم چاہئے، لکھوالے! اور خدا کے رستے میں دیتے وقت یہ یاد آتا ہے کہ میرا گزارہ کس طرح چلے گا؟

احمدیت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے: ہماری جماعت کے سامنے بھی اس بات کو بار بار لانے کی ضرورت ہے۔ احمدی ہو جانا کوئی سند نہیں۔ کہ اب ہم ہر بُری بات سے بچ گئے ہیں۔ اور ہر نیکی کی راہ کو اختیار کر لیا ہے۔ انسان بدی سے بچ بھی اپنی کوشش ہی سے سکتا ہے۔ اور نیکی کو اختیار بھی کوشش اور جدوجہد سے ہی کر سکتا ہے۔ جیسی سخت ایک طرف رسم و رواج کی زنجیریں ہیں، ایسی ہی سخت دوسری طرف بخل کی بیماری ہے۔ اور ان دونوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے پورا زور صرف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور بار بار ان باتوں کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ قربانی کی روح کا جماعت میں پیدا ہونا آسان امر نہیں۔ اور اگر یہ روح ایک طاقتور جماعت میں بھی پیدا ہو جائے، تو قوم بچ سکتی ہے۔ مگر ہماری حالت کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ جماعت میں بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے بھی ہیں۔ مگر جب تک ساری جماعت میں قربانی کی روح پیدا نہ ہو، اس وقت تک ہمیں دوسروں سے ممتاز کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ احمدیت نام ہی خدا کے رستے میں قربانی کا اور دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ہے۔ کیونکہ یہی وہ عہد ہے، جو ہم سے لیا گیا ہے۔ اور جو اب بھی جماعت میں شامل ہونے والوں سے لیا جاتا ہے۔

کل افرادِ جماعت کا فرض: اگر ہماری موجودہ جماعت کے کل کے کل افراد اس قدر قربانی کے لئے تیار ہو جائیں کہ وہ اپنی ماہوار آمدنی میں سے ۵ فیصد خدا کے رستے میں دیتے رہیں، جیسا کہ تین پیسہ فی روپیہ دینے کا فیصلہ ہماری جماعت کر چکی ہے، تو نہ صرف انجمن کا موجودہ کام ہی مشکلات سے نکل جائے گا، بلکہ ہماری جماعت اشاعت اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور قدم بھی اُٹھا سکتی ہے۔

قدم آگے بڑھانے کی آرزو: میں اپنے دوستوں کو صاف صاف بتانا چاہتا ہوں کہ وہ خیال نہ کریں کہ موجودہ کام ہی چلتا رہے، تو یہ ہمارے لئے بس ہے۔ اگر ہماری آرزوؤں اور کوششوں سے یہ بات نکل گئی کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں، اس سے آگے اور بہت سا کام ہے، جسے ہم نے کرنا ہے، تو ہم پر جلد جمود کی حالت طاری ہو جائے گی۔ دنیا میں جس قوم نے قدم آگے بڑھانا چھوڑ دیا ہے، وہ ہمیشہ پیچھے رہ گئی ہے۔ قربانی کی زبردست روح جماعت میں پیدا کرنا، یہ ہمارا سب سے پہلا کام ہے۔ اگر ہم نے جماعت میں یہ روح پیدا کر دی، تو پھر ہمیں کوئی فکر نہ ہونی چاہئیے، کہ ہمارے پیچھے کام سنبھالنے والا کون ہوگا؟ جس قوم میں قربانی کی روح ہو، اسے خدا تعالیٰ برباد نہیں ہونے دیتا۔ ہمارے اندر خدا کا نام پھیلانے کے لئے، محمد رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کے لئے اور قرآن کو دنیا میں پہنچانے کے لئے وہ دیوانگی کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے، کہ اس رستہ میں مال خرچ کرتے وقت اور قویٰ خرچ کرتے وقت دل میں راحت ہو۔ اگر ایک شخص اس رستہ میں فقیر بھی ہو جائے، تو وہ سمجھے کہ ابھی میں نے حقِ خدمت ادا نہیں کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی قربانیاں: وہ کیا چیز تھی؟ جس نے ایک عالم کو محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے نظیر قربانیاں تھیں۔ ان کی زندگیوں میں ہمارے لئے سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ انہوں نے اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک، جرنیل سے لے کر سپاہی تک، خدا کے رستے میں کیسی قربانیاں کیں! وہ سب سے زیادہ وطن کے خدمت گزار تھے۔ وہ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ وہ سب سے بڑھ کر مال کمانے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے تھے۔ لیکن خدا کے رستے میں انہوں نے وطن کو اپنا وطن نہیں سمجھا، رشتہ داروں کو اپنے رشتہ دار نہیں سمجھا، مال کو اپنا مال نہیں سمجھا۔ وہ خدا کے رستے میں دیوانوں کی طرح تھے۔ ایک ہی ان کے دل میں تڑپ تھی۔ ایک ہی ان کی کوشش تھی کہ اسلام کا بول بالا ہو۔ یہ روح ان کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں کام نہ کرتی تھی، بلکہ بعد میں بھی یہ روح اسی طرح کام کرتی رہی۔ یہاں تک کہ انہوں نے خدا کا نام بلند کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کو اپنا وطن بنایا، اور کسی تکلیف کو تکلیف نہ سمجھا۔

ہماری کامیابی کا راستہ: آج دوبارہ اس روح کے پیدا کیے بغیر ہم کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ ہماری بحثیں، ہمارے مناظرے اور ہمارے دعوے یہ سب رکھے رہ جائیں گے، اگر قربانی کی وہ روح ہم میں پیدا نہ ہو، جو خدا کے رستے میں ہمیں دیوانوں کی طرح کر دے۔ جو اپنے مال خدا کے رستے میں خرچ کرنا ہمارے لئے آسان کر دے۔ اور جو اس غلط خیال کو ہمارے دلوں سے نکال دے کہ ہم خدا کے رستے میں بہت کچھ دے چکے ہیں۔ اور اب ہم سے اور کیوں مانگا جاتا ہے؟ کیا حضرت اسماعیلؑ کی قربانی، جس کی یادگار میں ہم یہ عید منا رہے ہیں، ہمیں نہیں بتاتی کہ ہمیں کیا کچھ قربانی کرنے کے لئے تیار ہونا چاہئیے؟ اور اپنا نصب العین کتنا بلند کرنا چاہئیے؟ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی قربانیاں ہمیں نہیں بتاتیں؟ کہ کامیابی اسی وقت ہمارے قدم چومے گی، جب ہم سب کے سب چھوٹے اور بڑے مل کر خدا کے راستے میں ہر ایک قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیا آج کامیاب قوموں کی حالت ہمیں نہیں سکھاتی کہ اگر ہم نے زندہ رہنا ہے، اور دوسری قوموں میں ذلیل ہو کر نہیں رہنا، تو اپنے مال اور اپنی جانوں کو خدا کے راستے میں قربان کئے بغیر نہیں رہ سکتے!

ہمارے باہمی تنازعات: ہاں! صرف مال کی قربانی کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ ایک اور قربانی کی ضرورت بھی ہے۔ اور وہ ہے باہمی تنازعات اور ذاتی جھگڑوں کی قربانی۔ حضرت مسیح موعود نے اللہ کے فضل سے ہمیں اس راستے پر لگا دیا ہے کہ ہم ان فروعی جھگڑوں سے نکل کر، جن میں مسلمانوں کا بڑا حصہ گرفتار ہے، خدمت دین کے بلند کام پر لگ گئے ہیں۔

لیکن جہاں اجتماع ہوتا ہے، وہاں ایک اور قسم کے جھگڑے بھی شروع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ہمارے باہمی جھگڑے ہیں۔ بعض وقت ہمارے معاملات ایک دوسرے سے ٹھیک نہیں ہوتے۔ کوئی کسی سے قرضہ لیتا ہے، اس پر جھگڑا ہوتا ہے۔ کہیں رشتے ناطہ کا تعلق ہوتا ہے، اس پر جھگڑا ہوتا

ہے۔ کہیں قومی کاموں کے کرنے میں ہم میں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ ایک شخص چاہتا ہے کہ یہ کام ایک طرح ہو۔ دوسرا چاہتا ہے کہ دوسری طرح ہو۔ اور پھر یہ ذاتی جھگڑے قومی کاموں کو تباہ کرنے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سارا زور اس پر صرف ہوتا ہے کہ فلاں شخص، جس نے ہماری رائے کے مطابق نہیں کیا، اسے نیچے گرائیں۔ اور ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہمارا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ مُلاں، جن کو ہم بُرا کہتے ہیں کہ وہ فروعی جھگڑوں میں پڑ کر خدمت اسلام کے کام سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں، فی الحقیقت انہی کے قدم پر ہمارا قدم بھی ہوتا ہے۔ جس فعل کی وجہ سے ہم دوسروں کو بُرا کہتے ہیں، وہ خود کرتے ہیں۔ اور محسوس نہیں کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

جذبہ حیوانیت کی قربانی: یہ حیوانیت کا جذبہ ہے۔ اور عید الاضحی جو کچھ ہمیں سکھاتی، اس میں یہ بھی ایک سبق ہے کہ حیوانیت کے جذبہ کو قربان کرنا چاہئیے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنا چاہا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ ایک دنبے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ گویا یہی سمجھایا کہ اصل ضرورت حیوانیت کو قربان کرنے کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انسان سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرے۔ بلکہ وہ اس سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی حیوانی خواہشات کو قربان کرے۔ یہ بہیمیّت کا جذبہ ہی ہے، جو ہم سے ایسے افعال کراتا ہے، جو آخر کار ہمارے ہی نقصان کا موجب ہوتے ہیں۔ پس جس وقت ایک حیوان کو قربان کرو، تو خوب سمجھ لو کہ اس حیوان کو قربان کرنے میں سبق یہی ہے کہ ہم بھی اپنے اندر سے حیوانیت کو قربان کر دیں۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اور بعض مسلمان بھی بعض وقت نادانی سے بہک جاتے ہیں کہ یہ عید کیا ہے؟ ناحق حیوانات کا خون بہانا ہے! حالانکہ یہی لوگ خود اپنے پیٹ بھرنے کے لئے روز جانداروں کو مارتے ہیں۔ گوشت خور بھی اور سبزی خور بھی۔ تو کیا ایک ایسا قیمتی سبق حاصل کرنے کے لئے، کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت جذبہ حیوانیت کو قربان کرنا ہے، ایک حیوان کو ذبح کرنا ظلم ہے؟ لیکن جب تک ہم قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح دنیا کو یہ نہ دکھاویں، کہ واقعی ایک جانور کو ذبح کر کے ہم نے انسانیت کا کوئی بلند مقام حاصل کر لیا ہے، اس وقت تک یہ محض خون گرانا ہی ہے۔ اور اس وقت تک لوگوں کو اسلام کی بعض باتوں پر اعتراض کرنے کا موقعہ ہم خود دیں گے۔ پس آج جانوروں کی قربانی کے ساتھ اپنی بہیمیّت کو بھی قربان کرو۔ اور تمام ذاتی جھگڑوں کو قربان کر کے، اپنی ساری طاقت اعلاء کلمۃ اللہ میں اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں لگا دو۔

خطبہ دینے والے: یہ چند باتیں میں نے لکھ دی ہیں کہ ہمارے دوست عید الاضحی کے خطبہ میں ان کو مد نظر رکھیں۔ جماعت کی اصلاح کی کوشش کریں۔ مگر وہ اصلاح تب ہی ہو سکے گی، جب پہلے خطبہ دینے والے خود ان قربانیوں کا نمونہ دکھائیں۔ ہاں! توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (پیغام صلح۔ ۱۷ مئی ۱۹۲۹ء)۔ (فہرست مضامین)

محترمہ رضیہ مدد علی صاحبہ

المعروف۔ ”آپا جی“

بشریٰ علوی

(دائیں سے بائیں) نصیر احمد فاروقی، صدر سرینام جماعت رشید پیر خان، حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خانصاحب، صدر سرینام جون فیریر، رضیہ مدد علی صاحبہ

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۠

ان الفاظ سے ہمیشہ اپنی تقریر کا آغاز کرنے والی خاتون محترمہ بیگم رضیہ مدد علی صاحبہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ اللہ تعالیٰ پر محکم ایمان، نبی کریم صلعم اور دینِ اسلام سے سچا عشق رکھنے کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ہمیشہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھا۔ تحریکِ احمدیت اور امام زماں کی وفادار رہیں۔ اور یہی خصوصیات کسی بھی تحریک یا جماعت کو دائمی زندگی بخشنے کا مُوجب ہوتی ہیں۔

مَیں نے بہت سے لوگوں کے بارے میں لکھا ہے۔ مگر آپا جی جیسی ہمہ جہت شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا بہت مشکل تھا۔ مَیں اُن کی بلند قامت شخصیت کے آگے ہر بار جھک جاتی اور کوئی سِرا ہاتھ نہ آتا کیونکہ آپا جی احمدیت، انسانیت، محبّت اور اخلاص کا گہرا سمندر تھیں۔ تنظیم خواتین کی

مستقل ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ کئی اور انتظامی عہدوں پر بھی فائز رہی تھیں۔ خواتین کے سماجی او رامدادی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔میرے علم میں ہے کہ تنظیم خواتین کے وظائف فنڈ میں ایک معقول رقم دینے کے علاوہ کُشادہ دلی سے ذاتی حیثیت سے بھی چند احمدی بچیوں کی مستقل تعلیمی فیس کی ذمہ داری بھی بخوبی نبھائی اوراُنھیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدو معاون ثابت ہوئیں۔ڈاکٹر مجاہد سعید اور اُن کی ٹیم نے جب جماعت احمدیہ کی ویب سائٹ کا آغاز کیا تو اُس کے اجراء کے لئے آپ نے بھی مالی معاونت فرمائی اور بعد میں بھی اس کو جاری رکھا۔

جماعت کی بچیوں کی تعلیمی اور جماعتی سرگرمیوں میں آپ اُن کی حوصلہ افزائی فرماتی تھیں۔اگر کسی بچے کے اچھے مارکس یا گریڈ آتے تو فوراً مبارک باد کے ساتھ اچھا سا تحفہ لیکر اُن کے گھر پہنچ جاتیں۔اسی طرح اگر کوئی نوجوان مبلّغ اچھا خُطبہ دیتے تو آپا جی فوراً پردے کے پیچھے ہی بیٹھے ہوئے ستائشی الفاظ سے جزاک اللہ کہتی تھیں۔ اس سے نئے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی اور وہ مزید اپنے اندر نکھار پیدا کرتے۔مَیں نے بھی جب پہلی دفعہ تربیتی کورس میں کتاب ”الوصیّت“ پڑھائی تو لیکچر کے اختتام پر میرا ماتھا چُوم کر مجھے شاباش دی۔

اپنے عقاید اور دین پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔اکثر نوجوانوں کے سوالوں کو انتہائی تحمّل سے سُن کر مُدلّل جواب دیتیں جس سے وہ مطمئن ہو جاتے۔بچوں اور بچیوں کے لئے رول ماڈل تھیں۔ آپا جی کی حوصلہ افزائی کی ہی بدولت بہت سی بچیوں نے تنظیم خواتین کے لئے کام میں دلچسپی سے کام کرنا شروع کیا۔

اپنی تقاریر اور روزمرّہ کی گفتگو میں پنجابی زبان کے الفاظ کو اس انداز سے ادا کرتیں کہ بات نہایت خوبصورت ہو جاتی۔ آپ کی مخاطب زیادہ تر نوجوان نسل ہوتی تھی۔ بقول آپا جی !اسی نوجوان نسل نے جماعت کو آگے لے کر جانا ہے۔ بیان القرآن کو ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھنے کی از حد تاکید اور تلقین فرماتی تھیں۔ اس طرح آپ کی نصیحتوں کا اثر کئی نوجوانوں پر ہوا اور انہوں نے اعتراف کیا کہ آپا جی کے کہنے پر اُنہوں نے بیان القرآن پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ بھی اُن کے لئے ایک صدقہ جاریہ ہے۔ایک بچی نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ بقول آپا جی !اگر قُرآن کو سمجھ کر نہیں پڑھوگے تو اسکی مثال ایسے ہو گی کہ آپ کے والد کا خط آئے کہ وہ فلاں تاریخ کو آ رہا ہے اُسے لینے پہنچ جاؤ اور آپ خط کو بغیر سمجھے صرف عقیدتاً چُوم کر ایک طرف رکھ دیں تو کیا نتیجہ ہو گا۔؟

قرآن پاک کو مکمل ترتیب کے ساتھ پڑھنے کی نصیحت کرتیں اور بچیوں کو دنیاوی اور دینی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیتی تھیں۔ اپنی تقاریر میں وحیٔ ولائت اور وحیٔ نبوت کو بہت اچھے طریق سے ذہن نشین کرواتی تھیں ۔ نظر کا پردہ، نظر کو خیانت سے بچانا۔یعنی خیالات کو پاکیزہ رکھنے کی بہت زیادہ نصیحت کرتیں اور فرماتیں کہ خیالات کی پاکیزگی کے طفیل کردار میں پختگی آئے گی۔

رابطہ دورے خواہ اندرونِ مُلک ہوں یا بیرونِ مُلک آپ کے بغیر نامکمل سمجھے جاتے تھے۔اندرونِ مُلک کے شہر۔سیالکوٹ،اوکاڑہ،ملتان اور بدوملہی کے رابطہ دوروں میں مجھے بھی اُن کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ آپ ہر جگہ جماعتی تنظیم اور جماعت بندی کی تلقین کرتی تھیں۔خواتین کو مسجد کی اہمیت ،مرکز سے رابطہ رکھنے اور جماعت سے وابستہ رہنے کی ہدائت کرتیں۔وہاں کے لوگوں کی خوشیوں میں شامل ہوتیں۔ایک دفعہ بدوملہی کے رابطہ دورے کے دوران وہاں کی صدر مجیدہ بیگم کے بیٹے کی شادی کی خوشی میں لاہور سے مٹھائی لے کر گئیں اور بہو کو سلامی کے طور پر کچھ رقم بھی دی۔ آپ جہاں جاتیں وہاں کے ماحول میں اپنے آپ کو ڈھال لیتیں۔

بیرونِ ملک بھی کافی ممالک کے دوروں پر تشریف لے گئیں اور وہاں کے لوگوں پر اپنی شخصیت کا گہرا اثر چھوڑ کر آئیں۔ سرینام کے دورے کا خصوصاً ذکر فرماتی تھیں کہ کس طریقے سے ایک بہت بڑے مجمع میں جس میں اُس مُلک کا ہندو صدر بھی مدعو تھا آپ نے اُس کو مسٹر پریذیڈنٹ اسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاۃ- کہہ کر مخاطب کیا۔ کیونکہ آپ اُسے اسلام اور احمدیت کی سچائی اور عظمت سے روشناس کروانا چاہتی تھیں۔ آپ کے ساتھی ممبران بتاتے ہیں کہ آپ کی تقریر کے دوران ہال میں مکمل خاموشی تھی اور ہر کوئی اُن کے خیالات سے مستفید ہو رہا تھا۔

تعلقات کو نبھانے کا فن خوب جانتی تھیں۔جماعت کے افراد کے علاوہ نہ صرف اپنے ہمسائے بلکہ والدین کے ہمسائے جو لاہور میں آباد تھے اُن کی خوشی اور غمی میں برابر شریک ہوتی تھیں۔ زندگی کے آخری ایام میں کسی کی دستکاری کے ساتھ اُنکا پیغام مجھے بھیجا اور ان الفاظ میں مجھے اور ارشد کو لکھ کر دُعا دی۔ ”لعلوں کی جوڑی سلامت رہو۔“

آپا جی کے لئے صرف اتنا کہوں گی کہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں۔

تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی بے پایاں رحمت میں رکھے۔ (آمین)

(فہرست مضامین)